بوسنیا کا خونی ڈرامہ اور مسلم دنیا کے لیے لمحہ فکریہ

ع! چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا

ادھر تقریباً تین سال سے بوسنیا کے باشندے موت کے سایے میں زندہ رہنے کے لیے سرگرم عمل ہیں' پتہ نہیں کہ جدوجہد کا یہ سفر کب تک جاری رہے؟ لیکن جس بہادری اور پامردی کے ساتھ آگ کے دریا کو پار کرنے کے لیے وہ آگے بڑھ رہے ہیں' اس پر پوری دنیا محو حیرت ہے' لیکن انتہائی دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلم دنیا آج تک مغرب کی سامراجی حکومتوں سے کھل کر یہ نہ کہہ سکی کہ اس خونی ڈرامے کو بند کر دیا جائے اور وہ (مغرب) مسلم دنیا کے صبر و تحمل اور اس کی بے بسی و ناتوانی کا مزید امتحان نہ لے اور اگر مغرب کی سیاسی انا اس ڈرامے کو بند نہیں کرتی' تو پھر مسلم دنیا مغربی دنیا کا' خاص طور پر برطانیہ' فرانس' امریکہ اور روس کا تجارتی بائیکاٹ کرے گی' جس طرح آج جاپان نے فرانس کو دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے اپنے ایٹمی تجربوں کا سلسلہ بند نہ کیا' تو جاپان فرانس کا تجارتی بائیکاٹ کرے گا' یاد رہے کہ فرانس کی شراب اور عطر کی چالیس فیصد تجارت جاپان کے ساتھ ہو رہی ہے۔

ان "بڑے" ملکوں نے اپنی "کیاولی" سیاست سے اہل بوسنیا اور اپنے عوام کو پورے تین سال تک فریب پہ فریب دیئے ہیں اور سربوں کے خلاف نیٹو کے تباہ کن فوجی جہازوں کو استعمال کرنے کی کھوکھلی دھمکیاں دے کر

اہل بوسنیا کو تمناؤں میں الجھایا ہے۔ اس کا ایک ہی مقصد تھا کہ سربوں کو ہر ممکن موقعہ فراہم کیا جائے کہ وہ کسی طرح ایک فیصلہ کن جارحانہ جنگ سے مسلم بوسنیا کی معنوی اور دفاعی طاقت کو تباہ کر دے اور بوسنیا ایک شکست خوردہ' زخمی' راندۂ جہاں کی حیثیت سے خاموشی سے ذلت و رسوائی کی تاریکیوں میں گم ہو جائے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سربوں نے عورتوں' بچوں اور مردوں کو جس بربریت و درندگی کا نشانہ بنایا ہے' اس پر خود مغرب کے اہل درد تڑپ تڑپ اٹھے ہیں اور انہوں نے سربوں کے ساتھ ساتھ جان میجر' اور کلنٹن کے منافقانہ رویے کو تہذیب و تمدن اور اخلاق و شرافت کے دامن پر بدنما دھبا قرار دیا ہے۔ ہم نے آج سے دو سال قبل "المعارف" (مئی' جون ۱۹۹۳ء) ہی کے اداریے میں لکھا تھا کہ مغرب کی سیاسی انا سے امید خیر رکھنا عبث ہے' نیز یہ کہ مسلم دنیا کی سیاسی قیادت عمومی طور پر عیش کوش واقع ہوئی ہے' مسلم ثقافت' روایات' زندگی کی اعلیٰ قدریں" عوام کے جذبات' یہ سب چیزیں اس کے نزدیک بے معنی چیزیں ہیں۔ اس قیادت کے پاس علم ہے نہ اخلاص' نظر ہے' نہ جرات رندانہ' چنانچہ آج دنیا کے بازار میں مسلم قیادت سے ارزاں کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ (یہاں ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ موجودہ وقت میں ایرانی قیادت جس اعتماد اور جرات سے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے جس راہ پر چل رہی ہے' اس سے مسلمانوں کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک طرف اس نے اپنے عوام کے سامنے خود اعتمادی کی نئی راہ کھول دی ہے' اور دوسری طرف وہ روح عصر سے ہم آہنگ ہونے کے لیے سائنس اور جدید علوم کو حاصل کرنے کی سنجیدہ کوششوں میں مصروف عمل ہے' ہم بعض ذہنی تحفظات کے باوجود ایرانی قیادت کی موجودہ روش کو مسلم دنیا کے لیے نیک شگون تصور کرتے ہیں۔)

جب گزشتہ دنوں امریکن سینٹ نے بوسنیا پر ہتھیاروں کی پابندی کو ختم کرنے کا مطالبہ منظور کیا' تو مسلم دنیا نے اس کا خیر مقدم کیا لیکن ایک من چلے "حقیقت پسند" سیاسی تبصرہ نگار کے منہ سے یہ بات نکل ہی گئی کہ مسلم دنیا کی حالیہ خوشی کوئی اہمیت نہیں رکھتی' کیوں کہ مسلم دنیا نے تقریباً نصف صدی میں فلسطین کے بارے میں کوئی متفقہ قدم نہیں اٹھایا۔ یہ تبصرہ اتنا گہرا طنز ہے' جس پر ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے' کاش! مسلم دنیا کی قیادت اس طنز کے درد کو محسوس کرے اور تاریخ کے کباڑ خانے کی نذر ہونے سے پہلے مسلم قوم کی اخلاقی' علمی اور مادی بھلائی کے لیے کوئی مثبت اور ٹھوس پروگرام بنائے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج سے نوے سال قبل ۱۹۰۸ء میں جب مصر میں برطانیہ کے ہائی کمشنر لارڈ کرومر نے مسلم وحدت (پین اسلام ازم) پر ایک خفیہ رپورٹ لکھی' تو آکسفورڈ کے ایک پروفیسر مارگلیوتھ نے لکھا تھا: "جو لوگ مغرب میں پین اسلام ازم کے بارے میں خطرے کی گھنٹی بجا رہے ہیں' انہیں علم ہونا چاہیے گزشتہ ایک ہزار سال میں اسلام اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی متحدہ محاذ قائم نہیں کرسکا۔" ولیم میور نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ لکھا تھا: "مغربی قومیں وقت کے ساتھ ساتھ علم کی ہر شاخ' سیاست' اخلاق' فلسفہ اور سائنس میں آگے بڑھتی جائیں گی' لیکن اسلام جہاں کھڑا ہے۔ وہیں پر کھڑا رہے گا' کیوں کہ کہ اس کے مزاج میں جمود ہے۔" کیا ان تبصروں پر ہم نے کبھی غور کیا؟

چنانچہ آج بوسنیا میں مغرب کی بعض سامراجی حلوتوں نے جو معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے' وہ اس کی پرانی میکاولی سیاست کا ایک مکروہ مظاہرہ ہے' جس پر مغرب یا مشرق کے اہل علم کو کوئی حیرت نہیں ہوئی' آج برطانوی وزیراعظم بوسنیا کے خلاف عائد پابندیوں کے جواز پر یہ دلیل دے رہے ہیں' کہ اگر جنگی ہتھیاروں سے پابندی اٹھائی گئی' تو اس خطے کے دوسرے متحارب گروہ سرب اور کروشیا بھی ہتھیار حاصل کر سکیں گے۔ جس سے جنگ کی آگ اور

بھڑک اٹھے گی۔ یہ منطق ایسی ہے' جس کا اخلاق یا کسی فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ روس اور یوگوسلاویہ نے سربوں کی جو خفیہ فوجی امداد کی ہے' اس پر مغرب کے باخبر صحافیوں نے لکھا ہے کہ یوگوسلاویہ کے صدر جو سرب ہیں' مصالحتی کمیٹی کے اراکین کو اپنے "معصوم" تبسم سے دھوکے دینے کے ماہر ہیں۔ جان میجر کے ایک پیشرو ایڈن نے جو قدامت پسند پارٹی ہی کے لیڈر تھے۔ ۱۹۵۶ء میں نہر سویز پر حملہ کرتے وقت کہا تھا کہ مصر اور اسرائیل میں جنگ کو روکنے کے لیے اینگلو فرنچ فوجیں نہر سویز میں اتاری گئی ہیں۔ اس بودی منطق کا مذاق اڑاتے ہوئے لیبر پارٹی کے رہنما بیون نے کہا تھا یہ منطق کہ ممکنہ مصری اسرائیلی جنگ کو بند کرنے کے لیے برطانوی فوج کو پورٹ سعید میں اتارا گیا ہے' ایسے ہی جیسے کہا جائے کہ آگ کو بجھانے کے لیے آگ لگا دی گئی ہے۔

جب گزشتہ دنوں سرب فوج نے یو۔ این کے مقرر کردہ محفوظ علاقوں زیپا (Zepa) اور سربرینیکا (Srebrenica) پر چڑھائی کی' تو دنیا نے دیکھا کہ نہ تو نیٹو کے جنگی طیارے حرکت میں آئے اور نہ ہی یو۔ این نے کوئی احتجاج کیا' بلکہ یو۔ این ہی کے حلقوں سے یہ آواز آئی کہ "محفوظ مسلم علاقوں" کا دفاع نہیں ہو سکتا' انہیں تقدیر کے حوالے کر دو پھر سربوں نے وہی کچھ کیا' جو وہ آج تک کرتے آئے ہیں' اس نئے المیہ پر جنیوا میں مسلم کانفرنس ہوئی' چند تقریریں ہوئیں' فن خطابت کے مظاہرے بھی ہوئے۔ چند ایک عرب ملکوں نے خیرات کے چند ٹکے بھی اکٹھے کئے' اور پھر مسلم دنیا پر خاموشی چھا گئی۔

بوسنیا کے بچے' عورتیں اور بوڑھے آہ و بکا کرتے رہے' لیکن مغرب کے سامراجی حلقے برابر چپ سادھ کر بیٹھے رہے' لیکن یوں نظر آتا ہے کہ اہل بوسنیا نے آزاد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ وہ اور کروشیا سربوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنی تیاری میں مصروف ہیں' واقعہ یہ ہے کہ خدائی نصرت انہی قوموں کا ساتھ دیتی ہے جو اپنی تقدیروں کا فیصلہ خود

کرتے ہیں' چنانچہ آج بوسنیا اور شنیہ جس راہ پر چل رہے ہیں' اسی راہ پر چل کر ہی مسلم دنیا اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہماری پاکستان کی فکری اور سیاسی قیادت سے التماس ہے کہ آنے والے کل کا مقابلہ کرنے کے لیے پروگرام بنائے' جو ہمارے زوال پذیر معاشرے کی بیمار فکری' ثقافتی اور سیاسی "روایات" کو توڑ کر صحت مند اخلاقی اور فکری بنیادوں پر ہمارے اجتماعی نظام کو استوار کرے' موجودہ فرسودہ اقتصادی اور سیاسی اداروں کو ایک نئی زندگی دے' یہ کام وہی گروہ یا جماعت کر سکتی ہے' جو خدا اور تاریخ سے "پیمان وفا" (Commitment) رکھتی ہو اور اپنی صفوں سے رشوت' سفارش' کام چوری' سستی و کاہلی جیسی لعنتوں کو بڑی بے رحمی سے نکال باہر کر سکتی ہو۔ اگر چند نعروں' ہنگاموں اور تقریروں سے میدان جیت لیا جاتا' تو دنیا میں نیکی اور برائی' بلندی اور پستی کی تمیز مٹ جاتی' خیر و شر کی طاقتوں میں سمجھوتہ ہو جاتا' ہمیں جھوٹی تمناؤں اور آرزوؤں کی قید سے باہر نکل کر زندگی کے حقائق کا سامنا کرنا چاہیے' کہ آج ہمارے پڑوسی ملک فکر و نظر اور سعی و عمل کی دنیا میں ہم سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ ہمیں مغرب کے علم و فضل' ذوق جستجو اور جذبہ سعی و عمل سے بھی بہت کچھ سیکھنا ہے' ہم نے یہاں مغرب کے اس مخصوص سیاسی گروہ کی مذمت کی ہے' جو ابھی تک ماضی میں جی رہا ہے اور اپنی سامراجی ذہنیت کو بدلنے کے لیے تیار نہیں' ہم بنیادی طور پر نفرت اور تشدد کو ایک بیمار ذہنیت کا عمل گردانتے ہیں' پیغمبر اسلامؐ نے "تمام انسانوں کو خدائی کنبہ قرار دیا ہے' اللہ کی نگاہ میں وہی عزیز تر ہے جو اس کے بندوں سے حسن سلوک میں سب سے آگے ہے" ہمیں بیمار سے نہیں' بیماری سے نفرت ہے' چنانچہ ہمیں مغرب سے نہیں' مغرب کی سامراجی ذہنیت سے نفرت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج پاکستان میں اقبال اور جناح نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا' لیکن اقبال کی بصیرت' فکر اور سوز دروں اور جناح کی بے داغ شخصیت' قوت

ارادہ، حقائق پسندی اور استقامت سے آج بھی اپنی تاریک راہوں کو روشن کرسکتے ہیں۔ بے شبہ پاکستان یا مسلم دنیا میں ایک نئے صلاح الدین ایوبی کی آمد کو کوئی روک نہیں سکتا، جس کے بارے میں لین پول (S.Lane Poole) نے لکھا تھا کہ "اگر دنیا کو صلاح الدین کی زندگی کے بارے میں صرف یہی علم ہو تا کہ اس نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کیا تھا، یہ واقعہ اس بات کے لیے کافی تھا کہ صلاح الدین فاتح کی حیثیت سے ایک عظیم شہ سوار اور عظیم کردار کا مالک تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج مسلم دنیا کا سیاسی سٹیج خالی ہے اور ایک ہیرو کی تلاش میں ہے۔ دیکھئے سٹیج پر آنے کے لیے بزم عشق سے نئے صلاح الدین کا کب ظہور ہوتا ہے۔

چنانچہ آج ہماری ملکی اور قومی تاریخ کا ہم سے بجا طور پر یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کا سختی سے محاسبہ کریں اور مغرب کے سامراجی عزائم کا آلہ کار بننے کی بجائے اپنی صحت مند روایات کو اپنا کر تاریخ میں اپنا کردار ادا کریں۔ صرف اسی طریق سے ہم پاکستان کو ایک پرامن، خوش حال، ترقی یافتہ ریاست میں بدل سکتے ہیں، جہاں ہر مذہب، زبان، نسل کے لوگ امن و آشتی سے زندگی بسر کریں اور نہ صرف مسلم دنیا بلکہ جنوبی ایشیا میں امن و سلامتی اور بھلائی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ "فھل من مدکر؟"

رشید احمد (جالندھری)